دوسرا رخ

طاہر جاوید مغل

دوسرا رخ

موت اور زندگی کا ایک وقت مقرر ہے۔جب نوجوان بینک منیجر تنویر احمد اور سحرش تنویر لاہور سے خان پور کے تفریحی ٹور پر روانہ ہوئے تو انھیں قطعاً معلوم نہیں تھا کہ یہ تفریح ابتدا ہی میں اتنی المناک ثابت ہو گی اور یہ سب کچھ موت کی وجہ سے نہیں زندگی کی وجہ سے ہونے والا ہے

ایک نئی زندگی وجود میں آرہی تھی۔سحرش تنویر امید سے تھی۔زچگی میں ابھی کافی دیر تھی تقریباً ڈیڑھ دو ماہ مگر بات پھر وہیں آجاتی ہے کہ زندگی اور موت کا ایک وقت مقرّر ہے۔

مری پہنچتے پہنچتے سحرش کی طبیعت غراب ہو گئی۔تاہم میاں بیوی نے کچھ زیادہ فکر نہیں کی۔ضروری دوائیں ان کے پاس موجود تھیں۔ان کے استعمال کے بعد انہوں نے سفر جاری رکھا۔مری سے آگے موسم بڑا رومان پرور ہو رہا تھا۔فلک بوس چوٹیوں پر گہرے بادل چھائے تھے اور دن میں بھی رات کا سماں محسوس ہوتا تھا۔ایّوبیہ پہنچنے سے پیشتر ہی ہلکی ہلکی برف باری شروع ہو گئی۔جس وقت وہ ایّوبیہ پہنچے ، برف باری شدت اختیار کر چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی سحرش کی تکلیف میں اضافہ ہو گیا تھا۔اب نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والا معاملہ تھا۔بہر حال ینہون نے سفر جاری رکھا اور شام کو پانچ بجے خانسپور اپنے کاٹیج میں پہنچ گئے۔یہ کاٹیج اس پُر فضا قصبے کی شمالی جانب ایک الگ تھلگ

پہاڑی پر واقع تھا۔در حقیقت یہ کاٹیج تنویر کے ایک دوست کا تھا وہ شخص ایک تجربہ کار شکاری تھا اور سیر و شکار کے لئے اکثر یہاں آتا رہتا تھا۔ان دنوں یہ کاٹیج خالی پڑا تھا۔ تنویر نے سرما کی چھٹیاں گزارنے کی خاطر چند دنوں کے لئے یہ کاٹیج مستعار لے لیا تھا۔

تنویر نے ٹویوٹا کار سے اتر کر کاٹیج کا بیرونی پھاٹک کھولا اور گاڑی کو گیراج میں لیتا چلا گیا۔دو ہفتوں کا سامان خوردنوش وہ اپنے ساتھ ہی لے کر آئے تھے مگر اس وقت سحرش تکلیف میں تھی اور سامان اتارنے کی فرصت نہیں تھی۔اس نے پچھلا دروازہ کھول کر رابی اور اس کے بچے کو باہر نکالا۔رابی اس کی سینٹ بر نارڈ کی کتیا کا نام تھا۔ایک ماہ کا بچہ بھی اس کے ساتھ تھا۔اس کا نام بلیمر تھا۔دونوں جانوروں کو نکال کر اس نے اپنی بیوی کو سہارا دیا اور لے کر کاٹیج میں آگیا۔اسے آرام دہ بستر پر لٹا کر تنویر نے جلدی جلدی الیکٹرک ہیٹر لگایا اور دوا کھلانے کے لئے گاڑی سے برتن لینے چلا گیا۔

رات نو بجے تک میں بیوی کو اندازہ ہو گیا کہ انہوں نے اس حالت میں یہاں پہنچ کر سخت غلطی کی ہے۔خراب موسم کے ساتھ سحرش کی حالت بھی خراب تر ہو رہی تھی۔ میاں بیوی کی پریشانی سے دونوں جانور بھی مغموم ہو رہے تھے۔رابی کبھی بے قراری سے ٹہلنے لگتی اور کبھی ہیٹر کے پاس بیٹھ کر دُم ہلاتی چلی جاتی۔سینٹ برنارڈ نسل کے عام کتوں کے طرح وہ ایک دراز قد اور جسیم کتیا تھی۔وزن تقریباً 50 پونڈ اُونچائی 30 انچ اور جسم لمبے ملائم بالوں سے بھرا ہوا۔دیکھنے میں وہ چھوٹی موٹی شیرنی لگتی تھی۔یہ اصل سینٹ برنارڈ نسل کی کتیا تھی۔۔۔سُرخی آمیز آنکھوں والی۔تین چار ماہ پہلے تنویر نے اسے

سوئٹزر لینڈ سے منگوایا تھا۔اس امپورٹ میں اُس کی چالاکی بھی شامل تھی۔رابی حاملہ تھی اور تنویر سمجھتا تھا کہ اُسے صرف رابی درآمدی اخراجات ادا کرنے پڑیں گے۔اس کے بچے قریباً مفت میں ہی ملنے والے تھے۔تاہم اس کی توقعات زیادہ ثمر آور ثابت نہیں ہوئی تھیں۔رابی نے دو بچے دیئے تھے اور ان میں سے ایک چند روز بعد مر گیا تھا۔۔۔اب اس وقت رابی اپنے اکلوتے بچے کے ساتھا قالین پر بیٹھی پُر فکر نگاہوں سے اپنے مالک اور مالکن کی پریشانی دیکھ رہی تھی۔یہ پریشانی کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آرہی تھی۔۔۔آخر رات دس بجے تنویر نے کسی خاتون کو اپنی مدد کے لئے بلانے کا فیصلہ کیا۔اس امداد کے حصول کے لئے اس کا قصبے تک جانا ضروری تھا۔وہاں کوئی لیڈی ڈاکٹر نرس یا سمجھدار خاتون اس سے تعاون پر آمادہ ہو سکتی تھی۔

قصبے کی اصل آبادی کوئی پون میل دوری پر تھی۔اُس وقت یہ پون میل بھی کسی طول طویل اور دشوار سفر سے کم نہیں تھا۔برف کی تہہ اب کوئی ڈیڑھ فٹ موٹی ہو چکی تھی اور گاڑی استعمال کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔اسے بہر صورت پیدل ہی قصبے تک پہنچنا تھا۔سحرش کے اندیشوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، اس نے فُل بوٹ پہنے ، برساتی اوڑھی اور نکل کھڑا ہوا۔سحرش چونکہ اُٹھنے کے قابل نہیں تھی لہٰذا جاتے جاتے بیرونی دروازہ اس نے خود ہی باہر سے مقفّل کر دیا۔اس کے آخری الفاظ ابھیتک کمرے میں گونج رہے تھے۔

"حوصلے سے کا م لو سحرش۔۔۔ہمت سے کام لو۔۔۔میں پندرہ بیس منٹ میں لوٹ رہا ہوں۔۔۔"اس کی نیلگوں آنکھوں میں ارادہ کی چمک تھی۔

مگر یہ پندرہ بیس منٹ ایک طویل اور بے کراں انتظار میں بدلتے چلے گئے۔

رابی گُم صُم بیٹھی تھی۔اپنے پیٹ کے نیچے اُسے قالین کی نرمی کا احساس ہو رہا تھا۔دائیں طرف ایک حدّت بخش روشنی تھی۔یہ ہیٹر کی روشنی تھی۔وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ یہ سرخ روشنی اُسے اور اس کے بچے کو آرام پہنچاتی ہے۔اُس کا بچہّ۔۔۔چمکدار چھوٹی چھوٹی آنکھوں والا بچہّ اس کے پہلو سے لگا بیٹھا تھا بچّے کی ننھیّ منیّ دُم اس کے پہلو سے بار بار ٹکراتی تھی اور اس کے جسم کو ایک فرحت بخش احساس سے معمور کر دیتی تھی۔اس کی نگاہ مسلسل شہد رنگ بالوں والی عورت پر لگی تھی۔یہ شہد رنگ بالوں والی اُسے اچھی لگتی تھی ۔کیوں کہ نیلی آنکھوں والے سفید مرد کی طرح یہ بھی اُسے پچکارتی تھی، تھپکتی تھی، خوراک دیتی تھی اور آرام پہنچاتی تھی۔گو وہ ابھی پوری طرح ان دو متحرک جسموں سے مانوس نہیں ہوئی تھی مگر ایک طرح کی الفت اس کے دل میں جاگزیں ہو چکی تھی۔وہ خود سے پیار کرنے والے ان دو جسموں کی بُو اچھی طرح سے .

شناخت کر سکتی تھی اور آنکھیں بند کر کے بھی بتا سکتی تھی کہ دونوں میں سے کون اس کے قریب ہے۔وہ ان کے غم ، غصے اور خوشی کی کیفیات کو بھی باآسانی محسوس کر لیتی تھی۔وہ دیکھ رہی تھی کہ شہد رنگ بالوں والی اس وقت بے حد پریشان ہے۔کافی دیر پہلے جب کھڑکیوں سے باہر اندھیرا تھا اور سردی عروج پر تھی، نیلی آنکھوں والا دروازہ بند کر کے بے قراری سے چلا گیا تھا۔اس کے جانے کے بعد شہد رنگ بالوں والی دیر تک تڑپتی رہی تھی پھر ایک باریک سی آواز سنائی دی۔روتی اور چیختی ہوئی۔یہ ایک چھوٹا سا سرخ زخم تھا۔گوشت کا۔سرخ لوتھڑا جو شہد رنگ بالوں والی کے پہلو میں نظر آیا اور اس کے بعد اس کی پریشانی اور تڑپ ایکدم ختم ہو گئی تھی۔گوشت کے اس سرخ لوتھڑے میں دو چمکدار آنکھیں تھیں بالکل اس کے اپنے بچے کی طرح۔وہ اس کے بچے ہی کی طرح چھوٹا اور نازک تھا۔اُس کی ایک معصوم سی پیاری سی علیحدہ بُو تھی۔

جب کھڑکیوں کے باہر صبح کا اجالا پھیلا تو سرخ بالوں والی کی بے قراری پھر عروج پر نظر آنے لگی۔وہ مسہری سے اٹھی اور لڑکھڑاتی ہوئی دروازے تک چلی گئی۔دیر تک اس دروازے کو کھولنے کی کوشش کرتی رہی پھر کھڑکیوں سے باہر جھانکنے لگی۔اسے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں سوجھ رہا تھا پھر اس نے دیواروں پر مکےّ برسائے اور زمین پر بیٹھ کر زور زور سے رونے لگی۔اس کی کربناک آواز نے رابی کو بے چین کر دیا اس کا بچہ بھی بے قراری سے دُم ہلانے لگا۔نیلی آنکھوں اور چوڑے جسم والا ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔رابی سمجھ رہی تھی کہ اس کی غیر موجودگی نے سرخ بالوں والی کو پریشان کر رکھا ہے۔وہ کہاں چلا گیا تھا، رابی کو کچھ پتا نہیں تھا۔اس نے گاڑی کی آواز بھی نہیں سنی تھی جو وہ اکثر اس وقت سنا کرتی تھی جب نیلی آنکھوں والا کہیں جاتا تھا یا دیر تک باہر رہنے کے بعد گھر واپس آتا تھا۔وہ بیٹھی رہی اور سوچتی رہی، دیکھتی رہی اور سونگھتی رہی لیکن ارد گرد کوئی دوسری خوشبو نہیں تھی۔ان دیواروں سے باہر دور دور تک کوئی متنفس نہیں تھا۔

بہت دیر گزر گئی آخر ایک جانب کی کھڑکیوں سے دھوپ اندر آنے لگی۔رابی نے بچے کو لیا اور دھوپ کے چمکدار دھبے پر آ کر بیٹھ گئی۔سرخ بالوں والی کمرے میں کوئی چیز ڈھونڈ رہی تھی یہ چیز اسے نہیں ملی تو تھک کر مایوس ہو گئی اور کھڑکی سے منہ لگا کر زور زور سے

چلانے لگی۔وہ کسی کو پکار رہی تھی اور پکارتی جا رہی تھی۔سرخ گوشت کا لوتھڑا متحرک تھا اور وہ بھی چیخ رہا تھا۔

☆☆☆☆

سحرش تنویر جانتی تھی وہ ایک چوہے دان میں پھنس چکی ہے اس چوہے دان میں اس کے علاوہ اس کا نومولود بچہ، ایک کتیا اور اس کا بچہ بھی تھا۔طوفانی رات میں تنویر پر نجانے کیا گزری تھی وہ اس بارے میں زیادہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔اس کا سینہ شق ہونے لگتا تھا اور اسے خیال گزرتا تھا کی شائد دل کی حرکت تھم جائے۔اس چوہے دان کے دو دروازے اور تین کھڑکیاں تھیں۔یہ کل تین کمرے تھے۔دو بڑے اور ایک چھوٹا۔حفاظت کے پیش نظر کھڑکیوں پر مضبوط آہنی گرل لگائی تھی۔عقبی دروازہ لوہے کا تھا اور سامنے والا مضبوط لکڑی کا بینک ڈور تھا۔تنویر نے جاتے جاتے اس دروازے کو تالا لگایا تھا۔کاش وہ ایسا نہ کرتا اور بیرونی چھاٹک مقفل کر جاتا۔مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔انھیں یہاں قید ہوئے پورے آٹھ پہر ہو چکے تھے۔برف باری تھم گئی تاہم دوپہر کے بعد موسم پھر خراب ہو گیا تھا اور تیز ہوا سائیں سائیں کرتی گزر رہی تھی۔

دوپہر سے اب تک سحرش بہت چیخی تھی اور اب تو اس کا گلا بھی بیٹھ گیا تھا۔یوں لگتا تھا دور و نزدیک کوئی متنفّس موجود نہیں۔اس نے بڑے دکھ کے ساتھ سوچا۔تنویر کو کیا ضرورت تھی ایسی الگ تھلگ جگہ آنے کی۔مگر یہ ایک سوال نہیں تھا اس جیسے اور بھی بہت سے سوال تھے اور ان سب سوالوں کا ایک ہی جواب تھا۔تقدیر۔تقدیر نے اسے اور اس کے بچے کو گھیر کر ایک جگہ لا ڈالا تھا۔ایک عمارت جسے بیرونی خطرے سے بچانے کے لئے محفوظ تر بنایا گیا تھا اس کے لئے مہلک تر بن گئی تھی۔اب سوچنے کی بات یہ تھی کہ ان کے بچنے کے امکانات کیا ہیں۔ظاہر ہے گاڑی گیراج میں بند تھی اور تنویر دروازے بند کر کے گیا تھا۔پہیوں کے نشانات بھی معدوم ہو چکے تھے۔دن کے وقت اندر کی روشنی دیکھے جانے کا امکان بھی صفر تھا۔قریب سے گزرنے والا کوئی کاشت کار نہ کوئی چرواہا یا عام شخص کبھی نہ جان سکتا کہ اندر ایک عورت اپنے معصوم بچے کے ساتھ قید ہے۔ہاں اگر وہ وقفے وقفے سے چلاّتی رہتی یا دروازہ پیٹتی رہتی تو کوئی امکان تھا۔یہ بھی اس صورت میں کہ موسم ٹھیک رہتا۔برف باری شروع ہو جاتی اور کاٹیج کو آنے والا واحد راستہ رک جاتا تو اس جانب کسے آنا تھا۔سامانِ خوردونوش گاڑی میں تھا اور چند دواؤں اور ایک تھرماس کے سوا کمرے میں کچھ نہیں تھا۔تھرماس میں بمشکل ایک کپ دودھ تھا اور دواؤں میں صرف ایک بوتل میں دس پندرہ چمچ وٹامن سیرپ کے تھے۔سحرش نے حسرت سے سوچا کہ کاش وہ شاٹ گن جو ڈگی میں پڑی تھی تنویر اندر لے آتا۔وہ اس سے فائر کرکے دروازے کا تالا توڑنے کی کوشش کرتی۔یا پھر ہوائی فائرنگ کر کے کسی کو متوجہ کر پاتی۔اور اگر کچھ بھی نہ ہوتا۔۔اور خدانخواستہ نوبت زندہ درگور ہونے تک پہنچتی تو اپنی جان ہی۔۔لیکن اس سے آگے سوچ کر وہ کانپ

اُٹھی اور لیٹ کر بچے کی پیشانی چوُمنے لگی جب وہ بچے کو چوُمنے کے لیے جُھکی اس کی نگاہ ساتھ والے کمرے کے آدھ کھلے دروازے سے گزرکر ایک چیز پر اٹک گئی۔مسہری کے نیچے لکڑی کا ایک گول ڈنڈا نظر آرہاتھا۔سحرش کی انکھیں چمک اُٹھیں۔شاید یہ ایک کلہاڑی

کا دستہ تھا۔وہ کسی ایسی چیز کے لیے دوپہر سے سر گرداں تھی۔بچے کو چھوڑ کر وہ لپک کر دوسرے کمرے میں پہنچی اوراس کی امیدوں پر اوس پڑ گئی یہ صرف ایک لکڑی تھی۔زندگی میں پہلی بار سحرش کو اندازہ ہوا کہ لکڑی کے دوسرے سرے پر کلہاڑی نہ ملے تو انسان کو کس قدرمایوسی ہوسکتی ہے۔بے بسی کے آنسو زاروقطار اس کی آنکھوں سے گرنے لگے پھر کچھ سوچتے سوچتے اس نے ایک کرسی اُٹھائی اور پے درپے دروازے پر ضربیں لگانے لگی۔درودیوار ضربوں کی آواز سے گونجنے لگے مگر دروازہ ٹس سے مس نہیں ہوا آخر کرسی کے ہتھے اُکھڑ گئے اوروہ خود بھی بے دم ہوگئی۔

رابی کے پیٹ میں جیسے آگ سی لگی ہوئی تھی یہ بھوک کی آگ تھی وہ کچھ کھانا چاہتی تھی کچھ نگلنا چاہتی تھی تاکہ اُس کے جسم میں توانائی آئے اور اس کے پیٹ کے نیچے اس کے تھن بھاری ہو جائیں پھر اس کا بھوکا بچہ ان تھنوں کو مُنہ لگائے تو اسے مایوسی نہ ہو اس کے نازک جبڑے بے کار مشقت میں نہ الجھیں۔لیکن کھانا کہا ہے؟مانوس خوشبو والاراتب کہاں ہے۔گوشت کے وہ ٹکڑے کہاں ہیں جومُنہ میں پہنچتے ہی اُسے ایک اطمینان
سے آشنا کرتے تھے وہ بے چارگی سے ادھر اُدھر دیکھتی رہی پھر اپنے بچے کی ملائم کھال چاٹنے لگی۔وہ کھال کو زبان سے چھو کر بتا سکتی تھی کہ اس کا بچہ پریشان ہے بھوکا ہے شکوہ کناں ہے۔اُسے ان درودیوار میں مقید ہوئے بہت دیر گزر چکی تھی۔تین دفعہ کھڑکیوں سے باہر گھٹاٹوپ اندھیرا پھیلا تھا اور تین دفعہ اُجالے نے جھلک دکھائی تھی۔ان کھڑکیوں سے باہر ابرباد کا سلسلہ جاری تھا اور گاہے گاہے آسمان سے کوئی سفید چیز ٹپکنے لگتی تھی سردی، بھوک اور تنہائی! یہ وہ تین بلائیں تھیں جو اُن کے چاروں طرف وحشت ناک رقص کر رہی

تھیں۔نیلی آنکھوں والے مالک کو اپنی مصیبت سے آگاہ کرنے کے لیے رابی نے ایک بار بھونکنا شروع کر دیا وہ بھونکتی رہی آخر بھونک بھونک کر اس کا گلا جلنے لگا ایک نقاہت سی اس کے رگ وپے میں اُترنے لگی اور آواز کمزور تر ہوتی چلی گئی۔سرخ بالوں والی نے ہمدردی سے اس کی طرف دیکھا مگر اس کی گردن پر ہاتھ پھیرنے کے لیے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی شاید وہ اتنی کمزور ہو رہی تھی کہ حرکت کر ہی نہ سکتی تھی وہ بہت کم اپنی جگہ سے اُٹھتی تھی،زیادہ چیختی چلاتی بھی نہیں تھی بس کبھی کبھی ایک پیلے رنگ کی شیشی سے سرخ لعاب دار چیز اپنی زبان پر ٹپکاتی تھی اورلیٹ جاتی تھی دودن پہلے یہ سرخ لعاب دار شے اس نے رابی کے سامنے بھی ٹپکائی تھی رابی نے کچھ دیر سونگھنے کے بعد اُسے چاٹ لیا تھا اس شے نے اس کے پیٹ میں جلتی ہوئی آگ کو قدرے کم کیا تھا۔مگر اس کے بعد سرخ بالوں والی نے پھر یہ چیز اسے نہیں دی۔اب تو شاید وہ اطمینان بخش چیز ویسے بھی ختم ہو چکی تھی کیوں کہ آج دوپہر سرخ بالوں والی اپنا مُنہ کھولے دیر تک شیشی سے کچھ ٹپکانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔مگر ناکام ہوئی تھی۔۔

یہ تکلیف دہ صورتحال کب ختم ہوگی؟رابی نے رابی نے بڑے درد کے ساتھ سوچا کب اسے کھانے کو ملے گا۔وہ سبز قالین پر اپنے پنجے رگڑنے لگی۔اچانک اس کی نگاہ گوشت کے اس سرخ لوتھڑے پر پڑی جو سرخ بالوں والی کے پہلو میں پڑا رہتا تھا اس لوتھڑے کے عین درمیان پیٹ پر گوشت کی سُرمئی نالی سی لٹکی رہتی تھی یہ نالی زخمی تھی بھوک نے رابی کی سونگھنے کی حس تیز کر دی تھی وہ اتنی دور سے باآسانی سونگھ کر سمجھ سکتی تھی کہ نالی زخمی ہے اس نالی سے اور گوشت کے سرخ لوتھڑے سے اسے بے حد اشتہا آمیز خوشبو آرہی تھی دفعتاً اس کا دل

چاہاکہ وہ جھپٹے اوراس لوتھڑے کوپھاڑ کر پیٹ میں اتار لے تاکہ اسے اور اس کے بچے کوغذا مل سکے۔مگر پھر سرخ بالوں والی کی آنکھیں رابی کے تصور میں آ گئیں وہ گھبرا کراپنادھیان بٹانے کی کوشش کرنے لگی کتنی ہی دیروہ اس تذبذب میں رہی۔پھر غیرارادی طورپروہ انتظار کرنے لگی کہ سرخ بالوں کی انکھیں بند ہوں اوروہ بے حرکت سوجائے تووہ اُٹھے اوراپنے خیالات کو عملی جامہ پہنائے وہ بیٹھی رہی اور تکتی رہی وقت کاانتظار کرتی رہی کھڑکیوں سے باہر ملگجے مناظر بتدریج گہرے اندھیرے میں کھو گئے جب دیرتک اس نے سرخ بالوں والی میں کوئی حرکت محسوس نہیں کی تو بہ آہستگی اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی وہ بھوک کے ہاتھوں مجبور تھی ممتانے اسے بے حال کرر کھاتھاوہ بے آواز چلتی سرخ لوتھڑے کے پاس پہنچی وہ اسے دولقموں میں نگل سکتی تھی خودبخود اس کے حلق سے ایک دھیمی غراہٹ برآمد ہونے لگی۔یہ غراہٹ ایک گونج کی طرح اس کے سینے کی گہرائیوں سے برآمد ہورہی تھی نتھنوں کے قریب جھاگ کے بلبلے نمودار ہونے لگے وہ بچے کی طرف دیکھتی رہی۔ماں بے خبر سورہی تھی یکایک رابی کی غراہٹ تھم گئی اس کے اندرایک کشمکش شروع ہوچکی تھی اس کے سینے میں نسلوں سے دفن وفاداری کا بیج ایک دم ہی پودے کی طرح لہلہانے لگاکوئی غیرمرئی جذبہ اسے روکنے لگا،اسے جکڑنے لگا اس کی حیوانیت اسے بتارہی تھی کہ اس سرخ لوتھڑے کے ساتھ سرخ بالوں والی کا کوئی اٹوٹ رشتہ ہے اگروہ اس لوتھڑے کوپھاڑ کھائے گی توسرخ بالوں والی پریشان ہوگی چیخے گی چلائے گی ماتم کرے گی اس کی جبلت گواہی دے رہی تھی کہ یہ کام اچھانہیں اس کے نتھنے لرزتے رہے،دُم گردش کرتی رہی۔۔اور پھراندرونی جوش ٹھنڈا پڑگیا۔وہ سرجھکا کر کھڑکی کی طرف چلی گئی تھوڑی دیر اس کی آہنی جالی

پر بے کار مُنہ مارتی رہی پھر ایک صوفے کے آبنوسی پایوں سے چھال اتار کر کھانے کی کوشش کرتی رہی۔۔آخراپنے نڈھال جگر گوشے کے پاس آکرلیٹ گئی اپنے نیم گرم جسم سےاس کے ٹھنڈے جسم کو گرمی پہنچانے لگی۔۔

سات روز گزرچکے تھے وہ چاروں موت کی دہلیز پر تھے امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی کھڑکیوں سے باہر برف کاطوفان وقفے وقفے سے چنگھاڑرہاتھاوہ دھیرے دھیرے برف کی ایک قبرمیں دفن ہو رہے تھے رابی نے گردن موڑکر تھوتھنی قالین پر ٹکار کھی تھی اس کی بجھی ہوئی آنکھیں اپنے معصوم بچے کی بجھی ہوئی آنکھوں میں گڑی تھیں۔وہ جیسے زبانِ بے زبانی سے کہہ رہی تھی میرے لاڈلے۔نرم بالوں اورچھوٹی سی دُم والے لاڈلے! تیرے سرخ ہونٹوں کے صدقے،تیری گدگداتی زبان کے واری،میراجسم تجھ سے شرمندہ ہے میں تجھے خوراک نہیں دے سکتی تیری کمزور غراہٹوں کواپنے دودھ کی توانائی نہیں بخش سکتی کیا کروں مجبور ہوں اس کے اندر کوئی حِس پکار کر کہہ رہی تھی۔نیلی آنکھوں والا مالک نہیں آئے گاتیراچمکیلی آنکھوں والا اورگدگداتی تجھ سے جُداہو جائے گا۔جُدا ہوجائے گا۔جیسے کچھ عرصہ پہلے اس کا باپ تجھ سے جُدا ہوکر کہیں دوررہ گیاتھاسرد ہواؤں میں،برف پوش پہاڑوں میں۔

وہ بے قرار ہوکر پھر گوشت کے اُس متحرک لوتھڑے کودیکھنے لگی جوسرخ بالوں والی کے پہلو میں اینٹھ رہا تھا۔نہایت باریک آواز میں رینگ رہا تھا-وہ سوچتی سوچتی رہی پھردھیان ہٹاکر مُنہ پھیر لیا۔۔اور اپنے جسم کی آخری قوتیں جمع کرکے بھونکنے لگی۔آوازنہایت نحیف تھی خود اس سے بھی پہچانی نہیں جارہی تھی مگروہ بھونکتی رہی اور پُر امید نظروں سے دروازے کو تکتی رہی۔۔کسی آہٹ کاانتظار کرتی رہی ،سرخ بالوں والی کبھی کبھار اپنی دُھندلی نگائیں اس پرڈال

لیتی تھی آج اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک نظر آرہی تھی رابی اس چمک کو سمجھ نہ سکی شاید یہ امید کی جھلک تھی۔شاید یہ مایوس آنکھوں کے آخری آنسو تھے۔

وہ رات جو برسوں پر محیط تھی آخر گزر گئی صبح آٹھ بجے کے ایک شور سے رابی کی آنکھ کھلی۔اسے ماحول میں کچھ زبردست تبدیلیوں کا احساس ہوا سب سے پہلے اس کی نظر کھلے ہوئے دروازے پر پڑی اور اس دروازے سے جھلکتا ہوا ابر آلود آسمان اسے نظر آیا تب اس نے نیلی آنکھوں والے کو دیکھا اس کے سر پر سفید پٹیاں بندھی تھیں اور وہ کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ تیز تیز باتیں کر رہا تھا۔سرخ بالوں والی مالکن ایک کرسی پر نڈھال بیٹھی تھی نیلی آنکھوں والے کو دیکھتے ہی رابی اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کی طرف لپکی مگر گلے کی زنجیر نے اسے روک لیا شاید رات کسی وقت سرخ بالوں والی مالکن نے اس کی زنجیر باندھ دی تھی اس کی گردن کو جھٹکا کھاتے دیکھ کر نیلی آنکھوں والا تیزی سے اس کے پاس آیا اور اس کے لمبے بالوں میں اپنی مہربان انگلیاں پھیرنے لگا۔وہ بے حد خوش نظر آرہا تھا تیز تیز لہجے میں وہ سرخ بالوں والی سے بولتا بھی جا رہا تھا۔۔"میں گہری کھائی میں گر گیا تھا۔سر پر سخت چوٹ آئی پانچ روز اسپتال میں بے ہوش پڑا رہا ہوش میں آیا تو کچھ یاد نہیں آرہا تھا جونہی حواس بحال ہوئے میں چیخنے چلانے لگا۔۔"نیلی آنکھوں والا مسلسل باتیں کر رہا تھا لیکن رابی کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا بس وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ خوش ہے اور سرخ بالوں والی خوش ہے اور وہ خوش تھے تو سب ٹھیک تھا،سب اچھا تھا۔بالآخر مصیبت گزر چکی تھی انھوں نے مل جُل کر ایک دوسرے کے سہارے تکلیف کا وقت کاٹ لیا تھا پھر کسی نے اس کے سامنے تازہ بنایا ہوا راتب رکھ دیا،وہ کھانے لگی،تیز تیز مُنہ چلانے لگی دھیرے دھیرے اس کے جسم میں توانائی سرایت کرتی

چلی گئی اس کا بدن گرم اور آنکھیں روشن ہونے لگیں۔اب جلد ہی اس کے تھن بھاری ہونے والے تھے اُن میں اُس کے بچے کی خوراک اُترنے والی تھی اس وقت اس کا دھیان اپنے بچے کی جانب چلا گیا۔"آ میرے بچے۔آ میرے لاڈلے،کہاں ہے تُو۔میرے جسم سے لپٹ جا۔میری جان سے پیوست ہو جا۔اپنی چمکیلی آنکھوں سے مجھے دیکھتا جا اور میری توانائی اپنے جسم میں اُتارتا جا۔۔آ میرے بچھڑے!کہاں ہے تُو؟"

مگر اس کی آنکھیں دیکھتی ہی رہیں۔اس کا بچہ کہیں نہیں تھا گول الیکٹرک ہیٹر کے پاس ادھ جلے گوشت کے چند ادھ کھائے ٹکڑے پڑے تھے۔وہ بے قرار ہو کر اُٹھی لیکن دو فٹ کی آہنی زنجیر نے اُسے پھر کھینچ لیا۔وہ کراہ کر لڑکھڑا گئی۔سرخ بالوں والی نے پشیمانی سے مُنہ پھیر لیا۔